اسلامی ریاست کی مالیاتی پالیسی کے مقاصد (عہدِ نبویؐ اور خلفاء راشدین) ایک تاریخی جائزہ

ڈاکٹر سعدیہ گلزار ☆

Abstract

Aims of Fiscal Policy of The Islamic State

Islam is a complete code of life that deals with every aspect of human life and also provides instructions for the fiscal policy of an Islamic state. The key objectives of fiscal policy of Islam are to defend the country and to ensure the peaceful environment for the people. It is also theobligation of Islamic state to fulfill basic needs of masses so that the people may prosper economically. In order to stabilize the prices of basic commodities, eradication of artificial ways of increasing prices such as black hording & wastage of production is the prime objective of Islamic fiscal policy. Zakat is the most significant tool of Islamic fiscal policy which circulates the money among the poor and also eradicates poverty and hunger from the society. It not only affects the income level of poor people

☆ لیکچرار شعبہ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

but also increases the consumption level in the national income. Economic growth accompanied with improved social moral values can also be achieved by implementing the Islamic fiscal policy in a true sense. Educating people, providing them with better employment opportunities and stirring them for fair earning are also important indesigning the fiscal policy of an Islamic state.

Key words: *Fiscal Policy - Islamic State - Zakat.*

کسی بھی ملک کی معاشی ترقی اور استحکام کے لیے حکومت کی آمدن اور اخراجات سے متعلق مالیاتی پالیسی اہمیت کی حامل ہے۔اسلامی ریاست کے ذرائع آمدن میں زکوۃ،عشر،خراج،جزیہ،مال فئے،خمس،کراء الارض،عشور،عطایات واوقاف،اموالہ فاضلہ اور ضرائب شامل ہیں۔نبی صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم اور خلفاء راشدین نے اسلامی ریاست کے معاشی استحکام اور معاشی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے دفاع کے لیے عملی اقدامات کیے اور داخلی امن وامان کو بحال رکھا۔عوام الناس کی خوشحالی اور کفالت عامہ کے لیے مالیاتی پالیسی میں زکوۃ کو اہمیت دی کیونکہ اس سے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں جس سے شرح غربت میں کمی آتی ہے اور دولت کی تقسیم بھی منصفانہ رہتی ہے۔قیمتوں کی سطح میں استحکام قائم رکھنے کے لیے اشیاء کی قیمتوں کی نگرانی کا نظام وضع کیا تاکہ تاجر غیر معمولی منافع کے حصول کے لیے عوام کے استحصال سے باز رہ سکیں۔معاشی وسائل کی اس طرح تخصیص کی جس سے افراد معاشرہ مادی اور روحانی ترقیکے ثمرات سے مستفید ہوئے۔انسانی وسائل کی منصوبہ بندی کے لیے اقدامات کیے گئے۔

اسلام کی مالیاتی پالیسی کے مقاصد میں مضبوط دفاع،داخلی امن وامان کا قیام،کفالت عامہ،دولت کی منصفانہ تقسیم،قیمتوں کی سطح میں استحکام،معاشی ترقی،اصلاح معاشرہ اور انسانی وسائل کی ترقی وغیرہ شامل ہیں۔اسلام کی مالیاتی پالیسی کے مقاصد کا ذیلی سطور میں تفصیلاً جائزہ لیا جائے گا۔

ا۔ مضبوط دفاع اور داخلی امن وامان:

مالیاتی پالیسی کا اہم مقصد ملکی سرحدوں کی حفاظت کے لیے اقدامات اور داخلی امن وامان کا قیام ہے۔اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ [1]

[تم ان (کافروں) کے مقابلے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق قوت اور تیار بندھے گھوڑے (فراہم کرنے) کی تیاری کروتا کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اوراپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اوران کے علاوہ اوروں کو بھی، جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جانتا ہے جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔]

عہد خلفاء راشدین میں دفاع کے لیے اہم اقدامات کیے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں باقاعدہ فوج نہ تھی۔ ان کا عسکری نظام حکومت اس بدوی طریق کے زیادہ قریب تھا جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد سے پہلے قبائل میں رائج تھا۔ فوج کے محکمہ کی بنیاد حضرت عمرؓ کی اولیات میں سے تھا۔ طبریؒ کی روایت کے مطابق عہد فاروقی کے شروع میں باقاعدہ فوج نہیں رکھی جاتی تھی۔ جب دولت کی ریل پیل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کے مشورے سے ۱۵ ہجری کو فوج کا الگ محکمہ قائم کردیا۔ جہاں فوجی خدمات سرانجام دینے والوں کا ریکارڈ رکھا جاتا۔ ۲ فوج کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک باقاعدہ فوج جو میدان جنگ میں لڑتی اور سرحدوں کی حفاظت کرتی دوسری رضا کارانہ اور محفوظ فوج تھی۔ فوجیوں کو بلحاظ خدمت معاوضہ ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے چار ہزار گھوڑے ناگہانی حالات و واقعات کے لیے رکھے ہوئے تھے۔ ۳ گھوڑوں کی رانوں پر داغ لگے ہوئے تھے اور وہ جہاد کے لیے وقف تھے۔ ۴ حضرت عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لیے متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں اور ساحلی علاقوں میں چھاؤنیاں قائم کیں۔ ۱۷ ہجری میں حضرت عمرؓ نے فوجیوں کو مراعات دیں۔ حضرت عمرؓ نے سعد بن مالک اور عتبہ بن غزوان کو یہ تحریر فرمایا کہ وہ دونوں ہر سال محرم کے مہینے میں فوجیوں کو عطیات دیں اور ہر سال غلہ کی فصل آنے پر انہیں مال غنیمت کا حصّہ دیں۔ ۵

سرحدوں کی حفاظت کے علاوہ داخلی امن وامان کے قیام کے لیے ضروری ہے انسانی جانوں کی حفاظت کی جائے۔ اس بارے میں حکم الٰہی ہے:

وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ ۶

[اللہ تعالیٰ نے جس جان کو قتل کرنا حرام ٹھہرایا ہے اُس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ۔]

مسلمان کا قتل صرف تین صورتوں میں جائز ہے۔ اس بارے میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے:

لا یحل دم امری ء مسلم یشھد أن لا الہ الا اللّٰہ و أنی رسول اللّٰہ الا باحدی ثلاث: النفس بالنفس ، و الثیب الزنی و المفارق لدینہ التارک للجماعۃ ۷

[کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں ہے۔ جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں۔ صرف تین صورتوں میں مسلمانوں کا قتل جائز ہے۔ شادی شدہ زانی، جان کے بدلے جان اور اپنے دین کو چھوڑنے والا اور جماعت سے الگ ہونے والا۔]

داخلی امن وامان کے قیام کے لیے حدود کا نفاذ ضروری ہے تا کہ بدامنی کا خاتمہ ہو سکے۔ عبدالرحمٰن الجزیری کے نزدیک:

لفظ حد کے لغوی معنی روکنے کے ہیں اور اس لفظ کا اطلاق ایسی سزا پر ہوتا ہے جو شارع علیہ السلام نے مرتکب جرم کے لیے تجویز فرمائی۔ ۸ حدود میں چار سزائیں شامل ہیں جن میں داخلی امن وامان کے حوالے سے حرابہ اور سرقہ قابل ذکر ہیں۔ محاربین وہ لوگ ہیں جو قتل وغارت گری کرتے ہیں داخلی امن وسکون کو برباد کرتے ہیں محمد ثناء اللہ عثانی محاربین کے بارے میں لکھتےہیں کہکوئی طاقت ور جماعت جو رہزنی اور قتل وغارت گری پر کھڑی ہو جائے۔ اس لیے فقہاء حضرات نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے۔ ۹ محاربین کی سزا کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۱۰

[ان کی سزا جو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔]

محاربین کی سزا کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے:

الف۔ جب کوئی شخص کسی سے لڑنے اور اس کا مال چھین کر اسے قتل کر دے تو اس شخص کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں اور پھر اسے قتل کر کے پھانسی پر لٹکا یا جائے۔

ب۔ اگر اس نے قتل کیا اور مال نہیں لوٹا تو اس صورت میں اسے قتل کر دیا جائے۔

ج۔ جس نے کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا تو اس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں۔

د۔ جس نے کوئی قتل نہ کیا صرف لوگوں کو ڈرایا ہو تو اس کو جلاوطن کر دیا جائے۔ ۱۱

محاربین کی سزا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ عکل قبیلے کے چند آدمی (تین سے دس) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اسلام قبول کیا۔ پھر مدینہ کی آب وہوا ان کو ناموافق آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (علاج کے طور پر) ان کو یہ حکم دیا تم زکوۃ کے اونٹوں میں (جو شہر سے باہر رہتے ہیں) چلے جاؤ، ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، جب تندرست ہو گئے تو اسلام سے پھر گئے۔ اور چرواہوں کو جان سے مار کر اونٹ بھی بھگا کر لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں (بیس سواروں کو) بھیجا۔ وہ گرفتار ہو کر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوائے ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری گئی، پھر ان کے زخموں کو داغ نہیں دیا، یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ ۱۲

اگر محاربین پر حد جاری کی جائے تو سلطنت اسلامیہ میں داخلی امن کا قیام ممکن ہے۔ اسی طرح امن وسکون کے قیام کے لیے چوروں پر حد سرقہ جاری کرنے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓاْ أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۱۳؎

[چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عبرت ناک سزا، بدلہ ہے اس کا جو انھوں نے کیا، اور اللہ تعالیٰ قوت و حکمت والا ہے۔]

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے عہد میں حد سرقہ جاری فرمائی اور اس کے لیے نصاب بھی مقرر کیا جیسا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ ۱۴؎ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں پر بھی حد سرقہ جاری کی جائے گی۔ اس بارے میں ابن رشد کا موقف ہیکہ اس پر اتفاق ہے جس شخص پر چوری کی حد جاری کی جائے اس کا مکلف (عاقل بالغ) ہونا شرط ہے آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا ذمی سب برابر ہیں۔ ۱۵؎ معاشرے کی بہتری کے لیے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حدود کے نفاذ کی تلقین فرمائی:

أقيموا حدود الله في القريب والبعيد. و لا تأخذ كم في الله لومة لائم ۱۶؎

[اللہ کی حدود کو دور و نزدیک سب پر قائم کرو۔ کہیں لوگوں کی ملامت تمھیں اللہ کے معاملے میں اس عمل سے روک نہ دے۔]

اگر ملک میں چوریاں ہو رہی ہوں تو لوگ امن و سکون سے نہیں سو سکتے ہر وقت ان کو اشیاء کی چوری کا اندیشہ ہوتا ہے۔ شریعت میں مخصوص مقدار کی چوری پر حد سرقہ جاری کی جاتی ہے۔ چند افراد کو سزا دینے سے معاشرے کے دیگر افراد کو عبرت حاصل ہو گی اور وہ چوری کرنے سے اجتناب کریں گے۔ نفاذ حدود کے مقصد کے بارے میں عبدالرحمٰن الجزیریؒ لکھتے ہیں کہ مجرم آئندہ جرم کا ارتکاب نہ کرے اور جو لوگ ارتکاب جرم کا ارادہ کرتے ہیں ان کو بھی ارتکاب جرم سے باز رکھنے کا موجب ہے۔ ۱۷؎ سعودی عرب میں حدود کے عملی نفاذ کی وجہ سے چوری کی شرح بہت کم ہے۔ اگر تمام اسلامی ممالک بشمول پاکستان میں اس کا نفاذ کیا جائے تو چوری کے واقعات کی شرح میں کمی آسکتی ہے۔ اگر قحط کے حالات ہوں گے تو یہ حد جاری نہیں کی جائے گی جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قحط میں حد سرقہ جاری نہیں کی تھی۔

داخلی امن و امان کے قیام کے لیے مسلمانوں کا خون اور مال دوسرے مسلمانوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے لوگوں کی نگرانی اور حفاظت کے لیے مدینہ میں اپنے حلقے میں رات کے وقت گشت کیا اور درّہ لیا اور اس سے لوگوں کی تادیب کی۔ ان کے لیے کہا جاتا تھا۔ (لدرة عمر أهيب من سيفكم ۱۸؎ عمرؓ کا درّہ تم لوگوں کی تلوار سے زیادہ ہیبت ناک ہے) داخلی امن و امان کے لیے ضروری ہے کہ حق دار کو اس کا حق ملتا رہے۔ اس کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا:

و أن أقو اكم عندي الضّعيف حتى آخذ له بحقّه و أنّ أضعفكم عندي القويّ حتى آخذ منه الحق ۱۹؎

[اور یقیناً تم میں جو طاقت ور ہے میرے نزدیک بڑا کمزور ہے، یہاں تک کہ اس سے حق لے لیا جائے اور تم

میں جو کمزور ہے میرے نزدیک وہی طاقتور ہیں، یہاں تک کہ ان کا حق دلا دوں۔]

حضرت عمرؓ حج کے موقع پر عاملوں کی موجودگی میں عوام کی شکایات سنتے۔ایک شخص نے شکایت کی کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس کو سو تازیانے مارے ہیں۔آپؓ نے اس کو اختیار دیا کہ وہ اٹھ کر قصاص لے لے۔حضرت عمروؓ بن العاص نے ہر تازیانے کے عوض دو دو دینار دے کر جان چھڑائی۔۲۰ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فرمایا اگر کسی پر کوئی عامل ظلم کرے تو وہ بلا اجازت میرے پاس آئے۔۲۱ داخلی امن و امان کے لیے ضروری ہے لوگوں کو فوری عدل و انصاف فراہم کیا جائے۔حضرت عمرؓ بازاروں میں گشت کرتے اور قرآن کریم پڑھتے رہتے اور جہاں کہیں کوئی جھگڑا ہوتا تھا اس جگہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ ۲۲

مالیاتی پالیسی کا اہم مقصد ملک کے دفاع کو مضبوط کرنا ہے کیونکہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور داخلی امن و امان کے بغیر معاشی ترقی ممکن نہیں۔اگر ملک کو بیرونی عناصر سے خطرہ درپیش رہے اور داخلی امن و امان کی صورتحال بھی خراب ہو تو سرمایہ کار اپنے وطن میں سرمایہ کاری کرنے کی بجائے بیرون ملک سرمایہ منتقل کرنا شروع کر دیتے ہیں اور سرمایہ کاری کے لیے ایسے ممالک کو ترجیح دیتے ہیں جہاں پر معاشی ترقی کے مواقع اور امن و امان کی صورتحال بہتر ہو جیسا کہ عصر حاضر میں پاکستان کا دہشت گردی کی جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے سرمایہ کاروں نے سرمایہ ملائیشیاء، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک منتقل کرنا شروع کر دیا ہے۔اس سے نہ صرف ملکی معاشی ترقی متاثر ہوئی بلکہ پاکستان کے سرمایہ اور ذہنی صلاحیتوں سے دیگر ممالک کی معیشت کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔دوسری طرف بدامنی کے حالات کی وجہ سے براہ راست بیرونی سرمایہ کاری میں بھی کمی آئی ہے۔عصر حاضر میں پاکستان کی سالمیت کو بیرونی عوامل سے خطرہ درپیش ہے اور داخلی امن و امان کی صورتحال بھی افسوس ناک ہے۔امن و امان کی صورتحال کی بہتری کے لیے پاکستان کو ٹھوس دفاعی پالیسی مرتب کرنے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرتی اور معاشی خوشحالی ہو سکے۔

۲۔ کفالت عامہ:

کفالت عامہ سے مراد ہے کہ دارالاسلام کے حدود کے اندر بسنے والے ہر انسان کو بنیادی ضروریات زندگی مثلاً غذا، لباس، رہائش اور علاج کی سہولیات فراہم کی جائیں۔اسلامی ریاست میں حکمران کو عوام کی ضروریات پوری کرنے کا پابند بنایا گیا ہے اور اس فرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

انّ أحبّ النّاس الی الله یوم القیامة و أدناهم منه مجلسا، امام عادل؛ و أبغض النّاس الی الله ،و أبعد هم منه مجلسًا امام جائر ۲۳

[قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے سب سے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض اور اُس سے زیادہ دور ظالم حکمران ہوگا۔]

ما من عبد یستر عیه الله رعیّة فلم یحطها بنصحه لم یجد رائحة الجنّة ۲۴

[جس بندے کوخدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اوراس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ جنت کی خوشبو نہ پا سکے گا۔]

حکمران کا فرض ہے کہ اپنی عوام کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، اپنی رعیت کی خیر خواہی کے لیے جدوجہد کرے اور ان کا استحصال نہ کرے۔اس بارے میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

مامن امام يغلق بابه دون ذوي الحاجة والخلّة والمسكنة ،الا أغلق الله أبواب السّماء دون خلّته و حاجته و مسكنته ۲۵

[جو امام محتاجوں، ناداروں اور مسکینوں کے لیے اپنا دروازہ بند کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی ناداری، حاجت ، اور مسکینی کے وقت آسمان کے دروازے بند کر دیتا ہے۔]

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو حکمران عوام کی فلاح و بہبود کا خیال نہیں رکھتا اور اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے سرانجام نہیں دیتا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور اس کا مقام جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ خلافت راشدہ کی مالیاتی پالیسی کا اہم مقصد عوام کی خدمت اور فلاح و بہبود کے لیے اقدامات کرنا تھا۔حضرت عمر فاروق نے عوام کی فلاح و بہبود کے پیش نظر اپنے عمال کو سخت ہدایات دے رکھی تھیں اور ان کو رعایا کے لیے دروازے بند کرنے کی سختی سے ممانعت تھی جیسا کہ حضرت عمرؓ کسی کو گورنر مقرر کرتے وقت گھوڑے پر سواری کرنے ،میدہ کی روٹی نہ کھانے ، باریک لباس نہ پہننے اور ضرورت مندوں کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھنے کی شرائط عائد فرماتے تھے۔ ۲۶ رعایا اُن سے بالمشافہ مل کر اپنے مسائل سے آگاہ کر سکتی تھی جن کو فوری طور پر حل کیا جاتا تھا۔اسی طرح حضرت عثمانؓ نے پہلا ہدایت نامہ جو حکام کو لکھ کر بھیجا اس میں بھی رعایا کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا۔

فان الله أمر الأ ئمة أن يكونوا رعاة، و لم يتقدّم اليهم أن يكونوا جباة؛ وانّ صدر هذه الأمة خلقوا رعاة، لم يخلقوا جباة، و ليوشكن وأئمتكم أن يصيروا جباة و لا يكونوا رعاة ؛ فاذا عادوا كذلك انقطع الحياء و الأمانة والوفاء. الا و انّ أعدل السّيرة أن تنظروا في أمور المسلمين فيما عليهم فتعطوهم ما لهم ، و تأخذوهم بما عليهم ، ثم تثنوا بالذمّة، فتعطوهم الذي لهم،و تأخذوهم بالذي عليهم ۲۷

[اللہ نے حکام کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ رعایا کے محافظ بنیں صرف محصول وصول کرنے والے نہ بنیں،اس امت کے ائمہ کو بطور محافظ تخلیق کیا گیا ہے وہ صرف محصول وصول کرنے والے نہیں بنائے گئے ۔اور قریب ہے کہ تمھارے حکام محافظ بننے کی بجائے صرف محصول وصول کرنے والے بن جائیں اور جو اس حیثیت میں رہیں گے تو وہاں سے حیا، دیانتداری اور وفاداری کا جذبہ اٹھ جائے گا۔آگاہ ہو جاؤ کہ سب سے عمدہ سیرت یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے حقوق و فرائض کا خیال رکھو۔تم ان کے مالی حق ادا کرو اور ان سے واجبات وصول کرو۔اس کے بعد تمھارے اپنے دشمن سے معاملات ہیں،تم ان کے معاہدے پورے کرو۔]

یہ بات عصر حاضر میں مصدق نظر آتی ہے۔حکمران صرف محصول وصول کرنے والے بن کر رہ گئے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو فراموش کر چکے ہیں اس وجہ سے حیاداری اور دیانت داری بھی رخصت ہو چکی ہے۔ برسر اقتدار طبقہ صرف خزانے بھرنے میں مصروف ہیں جبکہ ناجائز ٹیکسوں کے بوجھ نے عوام کی زندگی کو مشکل ترین بنادیا ہے۔

اسلام کی مالیاتی پالیسی میں معاشرے کے غریب افراد پر ٹیکسوں کا بوجھ ڈالنے کی بجائے اُن کی کفالت کا اہتمام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔زکوۃ کفالت عامہ کا اہم ذریعہ ہے جیسا کہ زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں۔اگر زکوۃ کی رقم صحیح معنوں میں غرباء اور مساکین میں تقسیم کی جائے تو معاشی خوشحالی ممکن ہے۔عہد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور خلافت راشدہ میں زکوۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام مؤثر رہا۔

حضرت عمرؓ نے عوام کی ضروریات سے آگاہی کے لیے آبادی کی مردم شماری کا طریقہ رائج کیا۔۲۸ آبادی کے صحیح اور مستند اعداد وشمار کا علم ہوا۔جس سے لوگوں کی مالی حالت سے بھی آگاہی ہوئی اور غریب طبقہ کی کفالت کا بھی انتظام کیا گیا۔خلفاء راشدین نے لوگوں کی ضروریات کو پوری کرنے کے لیے وظائف جاری کیے۔مساکین ،فقراء اور مسافروں کے لیے دارالطعام بنائے اور مسافروں کے لیے سرائیں بھی تعمیر کروائیں۔حضرت ابو بکر صدیقؓ بیت المال کی اشیاء کو عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیتے۔آپؓ نے بیت المال کے لیے پہرہ دار مقرر نہیں کیے تھے کیونکہ بیت المال میں کچھ نہیں بچتا تھا۔۲۹ وظائف کے اجراء کے ضمن میں حضرت عمر فاروقؓ پیدا ہونے والے بچے کے سو درہم مقرر فرماتے۔جب وہ بڑا ہوتا تو دو سو تک بڑھا دیتے اور جب بالغ ہوتا تو اور زیادہ کر دیتے تھے اگر ان کے پاس لاوارث بچہ لایا جاتا تو اس کے لیے بھی سو درہم اور مناسب خرچ مقرر فرماتے۔۳۰ حضرت عثمان غنیؓ نے عطیات میں سو فیصد کا اضافہ فرمایا۔حضرت عمرؓ رمضان المبارک میں مال غنیمت کے حقدار کا روزانہ ایک درہم کا اضافہ کرتے تھے۔انھوں نے ازواج مطہرات کا یومیہ اضافہ دو دو درہم کیا تھا۔امیر المومنین سے کہا گیا تھا کہ آپ لوگوں کے لیے کھانا تیار کروا کے ان کو اکٹھا کھلا دیں۔اس کے جواب میں آپ نے فرمایا میں لوگوں کو ان کے گھروں میں پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہوں۔حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کا طریقہ برقرار رکھا اس میں یہ اضافہ کیا رمضان المبارک میں کھانا پکواتے تھے جو مسجد میں رہنے والوں، عبادت گزاروں ،مسافروں اور رمضان کے سائلوں میں تقسیم کیا جاتا۔۳۱ حضرت عمرؓ نے دارالرقیق (غلام خانہ) اور دارالدقیق (توشہ خانہ) بنوائے تھے۔اس میں انھوں نے آٹا، ستو، کھجور، کشمش اور حاجت کی چیزیں رکھیں جن سے وہ مسافروں اور مہمانوں کی مدد کرتے تھے۔۳۲ حضرت علیؓ بیت المال کی تمام چیزیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے پھر بطور شکرانہ وہاں نماز ادا کرتے تا کہ بیت المال گواہی دے کہ تمام چیزیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی گئیں۔۳۳ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے منصب داروں کی اولاد کے مناصب مقرر کرنے کے لیے قرعہ کا طریقہ تجویز فرمایا اور جس کے نام قرعہ نکل آتا اس کا دو سو درہم منصب مقرر ہوتا اور جس کے نام نہیں نکلتا اس کے چالیس درہم ہوتے تھے۔بصرہ کے تمام فقراء کے تین تین درہم مقرر کر دیے تھے۔البتہ جو لوگ اپاہج اور معذور تھے ان کے پچاس پچاس مقرر کیے۔دودھ چھوٹنے تک منصب ایصال ہوتا تھا۔۳۴ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مساکین، فقراء اور مسافروں کے لیے دارالطعام بنایا تھا۔اصحاب اہتمام کو حکم تھا کہ اس لنگر خانے سے خود کچھ نہ لیں یہ محض فقراء، مساکین اور مسافروں

کے لیے ہے۔ ۳۵؎ مسافروں کے لیے سرائیں بھی تعمیر کروائیں اور حکام کو حکم دیا کہ ان کے سواری کے جانوروں کا خیال رکھا جائے۔ اگر ہلاک ہو جائیں اور مسافر خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو نیا خرید کر دیا جائیتا کہ وہ آسانی سے اپنی منزل تک پہنچ سکیں۔ ۳۶؎

حضرت عمرؓ لوگوں کے حالات سے آگاہی کے لیے گشت فرماتے۔ ایک رات آپؓ نے ایک عورت کو بچوں کے ساتھ بھوکا پایا۔ عورت نے خلیفہ وقت کے بارے میں شکایت کی وہ ہم پر حکومت کرتا ہے اور ہمارے حال سے غافل ہے۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے حضرت عمرؓ بیت المال سے آٹے کی بوری اپنی پیٹھ پر لاو کر عورت کے پاس لے گئے اور خود کھانا پکا کر بچوں کو کھلایا۔ ۳۷؎

اسلام کی مالیاتی پالیسیکے مقاصد میں شامل ہے کہ اگر معیشت میں غیر یقینی کے حالات پیدا ہو جائیں تو حکمران کی ذمہ داری ہے کہ عوام کی کفالت کے لیے ضروری اقدامات اور منصوبہ بندی کرے جیسا کہ مصر کے قحط میں حضرت یوسف علیہ السلام نے منصوبہ بندی فرمائی۔

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَأَباً فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِيْ سُنبُلِهِ إِلاَّ قَلِيْلاً مِّمَّا تَأْكُلُونَ، ثُمَّ يَأْتِيْ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلاَّ قَلِيْلاً مِّمَّا تُحْصِنُونَ ۳۸؎

[حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے در پے لگا تار حسب عادت غلہ بویا کرنا اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے، اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے، جو تم نے ان کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا، سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم محفوظ کر کے رکھو گے۔]

ابو بکر جصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کا جو قصہ سنایا ہے اور ان کے بارے میں قحط کے زمانہ میں غذائی اشیاء کو محفوظ کر کے انسانوں میں بقدر ضرورت تقسیم کرنے کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں حکمرانوں پر یہ واجب ہے ان کا اندیشہ ہو کہ قحط کے سبب عوام ہلاک ہو جائیں گے تو ایسا ہی طریقہ اختیار کریں۔ ۳۹؎

ناگہانی حالات میں عوام کی ضروریات کو خیال رکھنے کی مثال حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے بھی ملتی ہے۔ ۱۸ ہجری میں سرزمین عرب میں بہت بڑا قحط پڑا۔ عام الرماد ۳۹؎ب میں حضرت فاروقؓ نے قسم کھائی کہ وہ نہ گھی چکھیں گے نہ گوشت تاوقتیکہ لوگ پہلے کی طرح خوشحال نہ ہو جائیں۔ ۴۰؎ قحط سالی میں آپؓ کی ایک تہبند میں سولہ پیوند تھے اور آپؓ دعا فرماتے کہ اللہ تعالیٰ امت محمد کی ہلاکت میرے قدموں پر نہ فرما۔ ۴۱؎

حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانے میں ضروری اقدامات کیے۔ امیر المومنین نے تمام ممالک اسلامیہ کے صوبہ جات کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ اہل مدینہ کے لیے غلہ روانہ کریں۔ چنانچہ ابو عبیدہؓ نے چار ہزار اونٹ غلے کے بھیجے حضرت عمروؓ بن العاص نے براہ دریائے قلزم مصر سے بہت سا غلہ روانہ کیا۔ ۴۲؎ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بصرہ سے گندم اور دیگر اشیاء کے قافلے بھیجے۔ ۴۳؎ فاروق اعظم نے اہل مدینہ کے لیے نماز استسقاء ادا فرمائی اور حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کا ہاتھ پکڑ کر ان کے وسیلے سے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ اللہ جل شانہ نے پانی برسایا جس سے قحط کی شکایت جاتی رہی۔ ۴۴؎

کفالت عامہ مالیاتی پالیسی کا اہم مقصد ہے کیونکہ انسانیت کی فلاح اس میں مضمر ہے۔خلفاء راشدین کے مندجہ بالا اقدامات سے اندازہ ہوتا ہے عوام کو سہولیات بہم پہنچانا ان کے بنیادی مقاصد میں سے تھا۔ان کی عمدہ پالیسیوں کا ہی ثمر تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں زکوۃ دینے والا تو ملتے تھے لیکن لینے والا کوئی نہیں تھا۔اگر عوام بھوک سے خودکشیاں کر رہی ہو تو اس سے اندازہ ہوتا ہے زکوۃ کا نظام صحیح رائج نہیں، صاحب نصاب مال کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کر رہے ہیں اور حکمرانوں نے بھی عوام کی کفالت کے لیے کوئی ٹھوس لائحہ عمل نہیں بنایا۔پاکستان میں غربت کی وجہ سے بڑھتی ہوئی خودکشیوں کی شرح کی ایک اہم وجہ حکومت کی اپنے فرائض سے غفلت اور سرکاری خزانہ کا غیر ضروری امور پر بے دریغ استعمال ہے۔سرکاری خزانے کو عوام کو سہولیات بہم پہنچانے کے لیے خرچ کیا جائے تو غربت کی شرح میں کمی آسکتی ہے اور عوام کا معیار زندگی بھی بہتر ہوسکتا ہے۔

۳۔ دولت کی منصفانہ تقسیم:

اسلامی ریاست میں زکوۃ وعشر، خمس، صدقات، کفارات،، وراثت اور وصیت گردش دولت اور امداد باہمی کے اہم ذرائع ہیں۔ان سے مال وزر گردش میں رہتا ہے اور تقسیم دولت میں پائی جانے والی ناہمواریاں ختم ہوتی ہیں۔قرآن وسنت کی تعلیمات اور خلفاء راشدین کے ادوار سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کی مالیاتی پالیسی کا اہم مقصد معاشرہ میں ارتکاز دولت کا خاتمہ تھا۔ یوسف القرضاویؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

یعمل الا سلام علی عدالة التو زیع ، و تقا رب الملکیات فی المجتمع و هو بنظام الز کاة و الفيء و غیر هما یعمل علی اعادة التوازن ، و تقریب المستویات بعضها من بعض [۴۵]

[اسلام دولت کی تقسیم منصفانہ کرتا ہے اور معاشرے کے اندملکیتوں میں اضافہ پذیری کی صورت پیدا کرتا ہے اور زکوۃ، فئے وغیرہ کے نظام کے ذریعہ توازن پیدا کر کے معیار زندگی کے تفاوت کو کم کر دیتا ہے اور ایک دوسرے کے درمیان برابری کی کوشش کرتا ہے۔]

مال فئے کی تقسیم کی حکمت اللہ تعالیٰ نے گردش دولت بیان فرمائی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ [۴۶]

[تا کہ تمھارے دولت مندوں کے ہاتھ ہی میں یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے۔]

گردش دولت کا اہم ذریعہ زکوۃ ہیچو کہ معاشرے کے امراء سے وصول کر کے غرباء میں تقسیم کی جاتی ہے۔زکوۃ کی ادائیگی امراء کا فرض ہے جب کہ اسے غرباء کا حق قرار دیا گیا ہے ۔اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ [۴۷]

[اور اُن کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا۔]

زکوۃ کو نادار طبقہ کا حق قرار دینے کا مقصد ان کی عزت نفس کو برقرار رکھنا ہے اور ان کی معاشی کفالت کرنا ہے۔معاشی

تفاوت میں کمی کے لیے زکوۃ کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ کے دیگر ذرائع بھی ہیں جن میں صدقہ وخیرات، کفارات، صدقہ فطر اور قربانی وغیرہ شامل ہیں۔ نیز دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے قرآن وسنت میں ارتکاز دولت کی حوصلہ شکنی کی گی ہے۔ حقیقت میں انسان کا مال اللہ کی دی ہوئی امانت ہے اور اسی کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے:

ألهاكم التّكاثر. قال: يقول ابن آدم مالي مالي، وهل لك من مالك الا ما تصدّقت فامضيت أو اكلت فأفنيت أو لبست فأبليت ۴۸

[دولت مندی اور جاہ پسندی نے تم کو غافل کر دیا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا پس ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال مگر تو نے جو صدقہ دے کر جاری کر دیا، یا کھا کر فنا کر دیا اور پہن کر پرانا کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی تمہارا کوئی مال ہے؟]

لا توعي فيوعي الله عليك، ارضخي ما استطعت ۴۹

[تم اللہ کے راستے میں گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تجھے گن کر دے گا۔ جہاں تک ہو سکے خیرات کرو۔]

قرآن وسنت میں ارتکاز دولت کی ممانعت کی اہم وجہ گردش زر میں اضافہ کرنا ہے تا کہ امراء سے دولت نکل کر غرباء کی طرف منتقل ہو اور ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ زکوۃ اور صدقات دینے پر رضا الٰہی اور جنت کی بشارت ہے جبکہ عدم ادائیگی پر جہنم کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ عہد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں زکوۃ وعشر کا نظام رائج کرنے کی وجہ سے دولت کی تقسیم منصفانہ رہی۔ خلافت راشدہ میں تقسیم دولت کے عملی اقدامات کیے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ کے دور خلافت میں جب مال فئے آیا تو آپ ؓ نے اسے عوام کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا۔ چھوٹے، بڑے، آزاد، غلام، مرد وعورت سب کو برابر حصہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ سے کہا گیا کہ تقسیم میں بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دیں تو آپؓ نے فرمایا کہ ان کے فضائل کا اعتبار اللہ کے یہاں ہوگا۔ جہاں تک اس معاشی زندگی کا سوال ہے اس میں مساوی سلوک کرنا بہتر ہے۔ ۵۰ حضرت عمرؓ نے معاشی مساوات کے قیام کے بارے میں فرمایا کہا گر میں سال بھر تک زندہ رہا تو میں سب سے کم مرتبے والے کو سب سے اعلیٰ مرتبے والے سے ملا دوں گا۔ ۵۱ حضرت عمرؓ کے دور میں عراق وشام، سواد میں حلوان وقادسیہ کی مفتوحہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان نہ تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۵۲ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ زمین کی ملکیت ایک محدود طبقہ میں گھر کر رہ جائے اور باقی افراد اس سے محروم رہیں۔ آپ کی اس پالیسی سے جاگیرداری نظام کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ ریاست کے مادی وسائل صرف فوجیوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہونے کے بجائے ساری رعایا میں پھیل گئے۔ مال ودولت پر محدود طبقہ کا تسلط ختم ہوا اور اللہ کی نعمتوں سے ساری قوم کو فائدہ پہنچا۔ حسن سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے خذیفہؓ کو لکھا کہ لوگوں کو عطایا اور تنخواہیں دے دو۔ انہوں نے بعد میں جواب لکھا کہ ہم نے یہ کر دیا ہے اور بہت کچھ بچ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پھر لکھا کہ وہ غنیمت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے نہ عمرؓ کی ہے اور نہ آل عمرؓ کی اسے بھی ان ہی میں تقسیم کر دو۔ ۵۳ حضرت عثمانؓ نے اموال فئے کی تقسیم میں مساوات کی پالیسی پر عمل نہیں کیا۔ مزید برآں آپ نے عراق وشام کی زمینوں کو جن کا مالیہ اب تک براہ راست کاشت کاروں سے وصول کیا جاتا تھا اس کو متعینہ خراج پر درمیانی افراد کو دینے کا طریقہ اختیار کیا۔ ۵۴ تاہم آپؓ نے غریبوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اقدامات کیے۔ حضرت عثمان غنیؓ صاحب استطاعت اصحاب میں

سے تھے۔اپنے مال میں سے صدقہ فرماتے غرباء ومساکین اور عزیز واقارب کو اپنے ذاتی مال سے نوازتے تھے۔امام ابوعبید القاسمؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے مال فئے کی تقسیم میں حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ اپنایا۔ ۵۵

خلفاء راشدین کے مندرجہ بالا اقدامات منصفانہ تقسیم دولت اور ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کئے گئے تھے۔دولت کی منصفانہ تقسیم سے معاشرتی تفاوت کم ہوتا ہے اور ارتکاز دولت کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ضرورت مندوں کی بنیادی ضروریات کی فراہمی سے معاشرتی خرابیوں کا سدباب ممکن ہے۔غربت کی وجہ سے لوگوں کے اخلاق بگڑتے ہیں اور وہ بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مختلف جرائم مثلاً چوری اور ڈکیتی وغیرہ کا ارتکاب کر گزرتے ہیں کیونکہ غربت رذائل اخلاق کا سبب بنتی ہے۔نظام زکوٰۃ وعشر حقیقی روح کے ساتھ نافذ کرنے سے دولت کی تقسیم منصفانہ ہو سکتی ہے اور عوام کی معاشی خوشحالی بھی ممکن ہے۔

۴۔ قیمتوں کی سطح میں استحکام:

اسلام کی مالیاتی پالیسی کا اہم مقصد قیمتوں کی سطح میں استحکام لانا ہے تاکہ افراد کو اشیاء صرف مناسب نرخ پر دستیاب ہوسکیں۔معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ قیمتوں کی سطح میں استحکام رہے اور تمام ایسے طریقوں کا سدباب کیا جائے جو معیشت میں گرانی کا سبب بنتے ہوں۔مصنوعی گرانی کا ایک اہم سبب احتکار ہے۔وھبۃ الزحیلی کے نزدیک وہ اشیاء جن کو کھانے سے انسانی جسم کو تقویت ملے ایسی اشیاء کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے۔۵۶ شریعت نے مصنوعی گرانی کے تمام ذرائع کی ممانعت فرمائی جس سے عوام معاشی تنگی کا شکار ہوں۔السید سابق کے نزدیک شریعت میں احتکار کی حرمت کی وجہ لوگوں کا تنگی میں مبتلا ہونا ہے۔۵۷ ضروریات زندگی کی اشیاء کو قیمتیں بڑھانے کے لیے روکنا اور محض ذاتی منافع کے پیش نظر رکھ کر انسانی مفادات کو پس پشت ڈالنا سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے جب کہ اسلام احتکار جیسی لعنت کو اخلاقی ترغیب اور قانون کے ذریعہ سے روکتا ہے۔حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں احتکار کرنے والے کو خطا کار ۵۸ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کہا گیا ہے۔۵۹ ذخیرہ اندوز سمجھتا ہے اس کا منافع بڑھ جائے گا اور وہ خوشحال ہو جائے گا لیکن یہ اس کی غلط فہمی ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو مسلمانوں پر کھانے کے معاملے میں ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جذام اور مفلسی میں مبتلا کرتا ہے۔۶۰ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا لیکن وہ باز نہ آیا اور اُسے کوڑھ کا مرض لاحق ہو گیا۔۶۱ حضرت علیؓ نے ذخیرہ اندوز کے تمام ذخیرے جلا دیے۔ ۶۲ ابن تیمیہؒ کے نزدیک حاکم وقت کی ذمہ داری ہے کہ مختلف استحصالی صورتوں کی وجہ سے قیمت میں ہونے والے اضافہ کے ازالہ کے لیے لوگوں کو اس بات کا پابند بنا دیا جائے کہ مال کی خرید وفروخت قیمت مثل کے مطابق کریں۔۶۳

بعض صنعت کار زیادہ نفع کے حصول کے لیے احتکار کرتے ہیں جبکہ بعض صنعت کار اپنی مصنوعات کی قیمت بڑھانے کے لیے بازار میں اس کی رسد کم کرنے کی خاطر ان مصنوعات کے کچھ حصوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔اگر صنعت کار اشیاء ضائع نہ کریں تو بازاروں میں ان کی فراوانی ممکن ہو سکتی ہے،غذائی اشیاء صارفین کو کم قیمت پر دستیاب ہوسکتی ہیں اور معیشت خود کفالت کی طرف گامزن ہو سکتی ہے۔تاہم عصر حاضر میں صنعت کاروں اور تاجروں کے لیے تجارتی نفع تمام انسانیت کے مفادات سے زیادہ

اہمیت کا حامل ہے جبکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے اتلاف مال انسانی حق تلفی ہے اور نسل انسانی پر صریح ظلم ہے۔اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۶۴

[جب وہ پلٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔]

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قیل وقال، کثرت سوال، مال کے ضائع کرنے، بیٹی کو زندہ درگور کرنے اور والدین کی نافرمانی سے منع فرمایا ہے۔ ۶۵ غرض اسلام میں اتلاف مال کی ممانعت ثابت شدہ اصول ہے۔ پیداوار کا کوئی حصہ ضائع کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اتلاف مال اسلامی ریاست میں ایک قابل تعزیز جرم ہے۔

شریعت میں کسی تاجر یا صنعت کار کو قیمت چڑھانے کے لیے ایسے تمام معاشی امور مثلاً ناپ تول میں کمی، ملاوٹ اور بددیانتی وغیرہ سے روکا گیا ہے جن سے صارفین کا استحصال ہوتا ہو۔ نیز بازار پر نگرانی رکھی جیسا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو غلہ بیچ رہا تھا۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے پوچھا کہ تم اسے کس طرح فروخت کرتے ہو؟ اس نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بتلا دیا۔اس دوران آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر وحی نازل ہوئی کہ آپ اپنا ہاتھ اس میں ڈالیں۔ جب آپ نے دست مبارک اس غلہ میں ڈالا تو وہ اندر سے گیلا اور تر نکلا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ ۶۶ خلفاء راشدین اشیاء ضروریات کے نرخ معلوم کرتے رہتے۔ جب انہیں خبر ملتی کہ نرخ ارزاں ہیں تو اطمینان کا اظہار کرتے تھے۔ سلمہ بن قیس اشجعی کا قاصد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت کیا کہ اشیاء کے نرخ کیا ہیں؟ قاصد نے آپ کو بکری کے گوشت اور گائے کے نرخ الگ الگ بتائے۔ ۶۷ حضرت عثمانؓ جمعہ کے دن جب موذن اذان دیتا تو لوگوں سے باتیں کرتے اور ان سے بازار کے نرخ دریافت فرماتے۔ ۶۸ حضرت علیؓ درہ لے کر بازار میں نکلتے اور لوگوں کو تقوی اختیار کرنے، اچھی خرید و فروخت کرنے کا حکم دیتے اور فرماتے ناپ تول پورا پورا کیا کرو۔ ۶۹

عام حالات میں تاجروں اور اشیاء کے پیدا کنندگان کو معیشت میں آزادی حاصل ہوتی ہے کہ اشیاء تجارت اور پیداوار کو جس نرخ پر چاہیں فروخت کریں۔ اشیاء کی قیمتیں طلب و رسد کی آزادانہ قوتوں سے متعین ہوتی ہیں۔ حاکم ریاست اس سلسلہ میں کوئی مداخلت نہیں کرتا۔ اگر تاجر اور پیدا کنندگان اشیاء کی مصنوعی قلت کر کے اشیاء کو مہنگے داموں فروخت کریں تو اس معاشی صورتحال میں اسلامی ریاست کا حکمران یا نامزد کردہ نمائندہ مداخلت کر سکتا ہے۔ فروخت کرنے والوں کو اشیاء بازار میں لانے کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے اور اشیاء کے نرخ بھی متعین کیے جا سکتے ہیں۔ اگر اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا نہ کی جائے اور مصنوعی حربوں سے قیمتوں میں اضافہ نہ کیا جائے تو صارفین کو اشیاء مناسب قیمت پر دستیاب ہوتی رہتی ہیں۔ نیز اشیاء کی فروخت میں اضافہ سے تاجروں کو بھی فائدہ ہوتا ہے کیونکہ اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اس طرح سرمایہ کاروں کے منافع میں اضافہ ہوتا ہے اور یوں معاشی نمو کا عمل جاری رہتا ہے۔

۵۔ معاشی ترقی:

اسلام کی مالیاتی پالیسی کا اہم مقصد معاشی ترقی کا حصول ہے۔ مغربی تصور کے مطابق معاشی ترقی سے مراد قومی آمدنی اور فی کس آمدنی ۶۹ب میں عرصہ طویل میں اضافہ ہے۔ پروفیسر ہنگنز کے نزدیک معاشی ترقی کل قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ کو ظاہر کرتی ہے۔ ۷۰ پروفیسر کنڈل برگر کے نزدیک معاشی ترقی سے مراد زیادہ پیداوار کے ساتھ فنی اور اداراتی نوعیت کی تبدیلیاں ہیں۔ جن کے ذریعے پیداوار حاصل کی جاتی ہے اور تقسیم کی جاتی ہے۔ ۷۱ پروفیسر مائر اور بالڈون کے نزدیک معاشی ترقی ایک ایسے عمل کا نام ہے۔ جس کے دوران کسی ملک کی حقیقی آمدنی میں اضافہ ملک کی آبادی میں اضافہ سے زیادہ ہو، تو فی کس آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا بشرطیکہ خط غربت ۷۱ب سے نیچے زندگی بسر کرنے والے لوگوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہو اور تقسیم دولت مزید خراب نہ ہو۔ ۷۲

مغربی تصور کے مطابق معاشی ترقی مجموعی پیداوار میں اضافہ ہے۔ جس سے غربت کم ہوتی ہے اور دولت کی تقسیم منصفانہ رہتی ہے اور معاشی ناہمواریاں پیدا نہیں ہوتیں۔ اسلام میں معاشی ترقی درحقیقت مادی اور روحانی ترقی ہے۔ قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافے کے ساتھ افراد معاشرہ کا اخلاقی اور روحانی لحاظ سے ماضی کی نسبت زیادہ خوشحال ہونا ضروری ہے۔

اسلامی ریاست میں زکوۃ اور صدقات کا خودکار نظام رائج ہوتا ہے جس سے معاشرے میں ہر شخص کی مالی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ فی کس آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے جس سے معیشت میں خوشحالی آتی ہے، غربت کا خاتمہ ہوتا ہے، افراد کا معیار زندگی بہتر ہوتا ہے اور معیشت ترقی کی راہ پر گامزن رہتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس صورتحال کی عکاسی کرتا ہے۔

تصد قوا ، فانه یأتي علیکم زمان یمشي الرّ جل بصدقته فلا یجد من یقبلها ، یقول الرجل :

لو جئت بها بالأ مس لقبلتها، فأمّا الیوم فلا حاجة لی بها ۷۳

[خیرات کرو کیونکہ زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ آدمی خیرات لے کر چلے گا اور کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو اس کو قبول کرے، جس کو دینے لگے گا وہ کہے گا اگر تو کل لاتا تو میں لے لیتا آج تو مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔]

یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کی عکاسی کرتی ہے جب زکوۃ دینے والے تو ملتے تھے لیکن لینے والے دستیاب نہیں تھے۔ ان کے عہد میں معاشی خوشحالی ان کی عمدہ معاشی پالیسیوں کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ عصر حاضر میں بھی زکوۃ کو عملی طور پر صحیح روح کے ساتھ لاگو کیا جائے تو زکوۃ کی برکات سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔

خلفاء راشدین نے معیشت کی ترقی کے ضمن میں اہم اقدامات کیے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دیگر شہروں کی بنیاد رکھی جو کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کی علمی، ادبی، معاشی، سیاسی، دفاعی اور صنعتی ترقی کے مراکز بنے۔ حضرت عمرؓ وہ پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے کوفہ، بصرہ، الجزائر، شام، مصر اور موصل کو شہر بنایا اور عربوں کو آباد کیا۔ ۷۴ حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کے حکم پر ۱۷ ہجری کو کوفہ شہر کی بنیاد رکھی۔ ۷۵ ۱۷ ہجری میں ہی کوفہ میں عالیشان مسجد تعمیر کی گئی جس کا سائبان دو سو گز تھا اس کے ستون سنگ مرمر کے تھے جو ایرانی بادشاہوں کے تھے اس کا اوپر کا حصہ رومی گرجوں کی طرح تھا۔ ۷۶ شہروں کی آبادکاری، نئے شہروں کی بنیادیں رکھنے،

اچھے گھروں کی تعمیر اور عالیشان مساجد کی تعمیر سے عہد فاروقی کی معاشی خوشحالی کا اندازہ ہوتا ہے۔لیکن اس معاشی فراخی کے دور میں بھی آپؓ نے عالیشان گھر کی تعمیر کی ممانعت فرمائی۔امیر المومنین نے ان عمارات تعمیر کرنے میں مندرجہ ذیل ہدایات جاری فرمائیں:

الف۔ کوئی شخص تین گھروں سے زیادہ نہ بنائے اور نہ ہی لمبی عمارتیں بنائے۔

ب۔ حد سے زیادہ عمارت کو بلند نہ کرے۔

ج۔ عمارتیں تعمیر کرنے میں فضول خرچی کی بجائے اعتدال کی راہ اختیار کرے۔ ۷۷

عوام کی معاشی خوشحالی کے لیے خلفاء راشدین نے عوام کی فی کس آمدنی میں اضافے کے لیے وظائف مقرر کیے۔نیز خراج کی تقسیم مساوی بنیادوں پر کی گئی۔حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانے میں شام وعراق کو فتح ہوئے اور اس کا خراج آیا تو اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔۷۸ ۳۰ ہجری میں خراساں کے اکثر شہر نیشاپور،طوس،سرخس،مرد اور بیہق فتح ہوئے۔ان وسیع شہروں کی فتوحات کے بعد دولت و مال غنیمت کے انبار لگ گئے تو حضرت عثمانؓ نے خزانہ منگوایا اور تمام کا تمام لوگوں میں تقسیم کر دیا۔دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص کو ایک ایک لاکھ بدرو ہمانیاں ۷۸ب دیں۔۷۹ حضرت علیؓ نے ایک سال میں تین بار عطیے دیئے۔ پھر ان کے پاس اصفہان سے بھی مال آ گیا تو انھوں نے کہا۔لوگو!صبح چوتھے عطیہ کے لیے بھی آ جاؤ۔مجھے یہ حق نہیں کہ تمھارا مال جمع کر کے رکھوں۔چنانچہ انہوں نے رسیاں تک بانٹ دیں۔۸۰ حضرت امیر معاویہؓ نے بیت المال کی فاضل دولت کو عوام میں تقسیم کیا۔۸۱ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو(جو عراق میں تھے)،بیت المال کی فاضل رقوم کو لوگوں کے مقررہ کردہ وظائف کے لیے،لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے،نادار کنواروں کی شادی کے لیے اور ذمیوں کو زمین کی آبادکاری کے لیے خرچ کرنے کا حکم دیا۔۸۲ خلفاء راشدین کے دور میں معاشی خوشحالی ہوئی تو اس کا ثمر لوگوں تک پہنچا۔جس سے عوام کی فی کس آمدنی میں اضافہ ہوا اور وہ پہلے کی نسبت کہیں زیادہ خوشحال ہو گئے۔

اسلام میں معاشی ترقی کا تصور صرف قومی آمدن اور فی کس آمدن میں اضافہ نہیں ہے بلکہ مادی فلاح کے ساتھ روحانی فلاح میں اضافہ کرنا بھی ضروری ہے۔معاشی ترقی کا تصور تزکیہ کے ساتھ وابستہ ہے۔مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ ضروری ہے تاکہ معاشرے سے بے حیائی کا خاتمہ ہو اور لوگ اخلاقی اور روحانی لحاظ سے پہلے کی نسبت بہتر زندگی بسر کر سکیں۔اس مقصد کے حصول کے لیے ایسے معاشرے کا قیام عمل میں لانا ضروری ہے جس کے افراد حلال رزق کماتے ہوں اور حلال اشیاء پر خرچ کرتے ہوں۔اگر مغربی نظام کو جائزہ لیا جائے تو کلاسیکل ماہر اقتصادیات آدم سمتھ نے علم معاشیات کو دولت حاصل کرنے کا علم قرار دیا۔۸۳ اسی طرح نیو کلاسیکل ماہر اقتصادیات الفرڈ مارشل کے نزدیک معیشت کا مضمون اس سے بحث کرتا ہے کہ خوشحال زندگی کے لیے مادی لوازمات کس طرح حاصل کیے جائیں۔۸۴ ماہر اقتصادیات رابنز کی بیان کردہ تعریف کی رُو سے انسان کی خواہشات لامحدود اور وسائل محدود ہیں۔۸۵ مغرب میں حصول دولت اور صرف دولت میں حلال و حرام کے ذرائع میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔لامحدود خواہشات کو پورا کرنے کے لیے حلال و حرام کے اصول کا پابند نہیں کیا گیا اور نہ ہی قناعت جیسی اخلاقی صفت کی ترغیب دی گئی ہے۔منافع کمانے کے لیے وہ اخلاقی اصولوں کے تابع نہیں جبکہ اسلام کا مقصد صرف معاشی وسائل کی فراوانی نہیں بلکہ ان کا

منصفانہ اور مصلحانہ استعمال ہے۔اس لیے معاشی جدوجہد کو حلال وحرام کا پابند کیا گیا ہے۔حصول دولت اور صرف دولت میں حلال و حرام کے اصولوں سے روشناس کروایا گیا تاکہ افراد و معاشرہ مادی اور روحانی طور پر خوشحال ہوسکیں۔فلاح معاشرہ کے لیے اسلام کا نظام معیشت حلال سرگرمیوں کی اجازت تو دیتا ہے مگر حرام سرگرمیوں کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۸۶؎

[اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو۔]

الحرام سے صرف کھانا مراد نہیں بلکہ مال کا ناجائز استعمال اور اپنے غلط تصرف میں لے آنا مراد ہے۔ہر وہ باطل طریقہ جو عدل وانصاف، قانون اور سچائی کے خلاف ہو۔اس کے تحت جھوٹ، خیانت، غصب، رشوت، سود، سٹہ، جوا، چوری اور معاملات کی وہ ساری قسمیں آتی ہیں جن کو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔

کمانے کے بعد خرچ کرنے میں بھی حلال وحرام کے اصول کو مدنظر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیں جو انسان کی ضروریات کے عین مطابق ہیں۔ان چیزوں کے استعمال میں ہی انسان کی فلاح پوشیدہ ہے۔اسلام نے حرام اشیاء کی خریداری ممنوع قرار دی ہے۔حلال اور جائز اشیاء کے استعمال کا حکم دیا ہے۔مال بقدر نصاب پر زکوۃ فرض قرار دی اور اگر خرچ سے کچھ زائد بچتا ہو تو نیکی کے کاموں پر خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔اسلامی معاشرہ کا فرد بخیل نہیں ہوتا اور نہ ہی اسراف وتبذیر کرتا ہے بلکہ انسانی فلاح کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

گویا شریعت اسلامی نے ان اشیاء کو حرام قرار دیا جو انسانیت کے لیے نقصان دہ ہیں۔اگر ان میں کچھ نفع ہو بھی تو ان کا ضرر اُس نفع سے فائق تر ہونے کی وجہ سے اُن اشیاء کو بھی حرام قرار دیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو اشیاء کسی حکمت کے پیش نظر حرام قرار دی ہیں، ان کا نعم البدل بھی عطا فرمایا ہے، جس سے نہ صرف محرمات کی کمی پوری ہو جاتی ہے بلکہ بندہ ان سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔حلال وحرام کے اصول کو اپنانے اور زکوۃ وانفاق فی سبیل اللہ سے دولت کی تقسیم بھی منصفانہ رہتی ہے اور معاشرے کے افراد مجموعی طور پر خوشحال ہو جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں حرام اشیاء کے کاروبار پر پابندی عائد ہونی چاہیے۔حرام اشیاء کی خرید وفروخت بھی ممنوع ہونی چاہیے اور جو حرام معاملہ کا کاروبار کرے یا حرام کمانے کے دیگر ذرائع اپنائے اُس شخص کے لئے سزا مقرر ہونی چاہیے تاکہ انسانی شخصیت پر پاکیزہ رزق کے مثبت اثرات مرتب ہوسکیں۔

حلال ذرائع کے حصول اور حلال اشیاء پر خرچ کے علاوہ اسلامی معاشرہ میں فرد کی اخلاقی تربیت ضروری ہے تاکہ افراد روحانی طور پر خوشحال زندگی گزار سکیں۔حکومت کی ذمہ داری ہے کہ فضائل اخلاق کی ترویج کے لیے عملی اقدامات کرے تاکہ معاشرے سے بے حیائی اور فحاشی کا خاتمہ ہو سکے۔حکمران کا فرض ہے کہ وہ قیام نماز کا اہتمام کریں۔اصلاح معاشرہ کے لیے ضروری ہے کہ شراب اور زنا جیسی برائیوں کا خاتمہ کیا جائے۔شراب انسانی اخلاق کو خراب کرتی ہے۔شراب کے علاوہ دیگر نشہ آور اشیاء پر بھی

پابندی عائد ہونی چاہیے تا کہ معاشرہ انسانی اخلاق کو نقصان پہنچانے والے عناصر سے پاک رہ سکے۔اس طرح معاشرتی برائیوں ناچ گانے کی محفلوں، مخلوط مجالس، فحش فلموں اور بے حیائی کو پھیلانے والے تمام عناصر کا سد باب کرنا ضروری ہے تا کہ ہماری نوجوان نسل ان برائیوں سے محفوظ رہے اور شرم وحیاء پر مبنی معاشرے قائم ہو سکے۔افراد معاشرہ معاشی اور روحانی طور پر خوشحال ہو سکیں۔

۶۔ انسانی وسائل کی ترقی:

مالیاتی پالیسی کا اہم مقصد انسانی وسائل کی منصوبہ بندی کرنا یعنی عوام کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا، فنی علوم سکھانا، اخلاق بہتر کرنا اور ان کو روز گار فراہم کرنا ہے تا کہ وہ معیشت کے لیے سود مند اور معاشرے کے فعال رکن بن سکیں۔افرادی قوت کسی بھی معیشت کے لیے انتہائی اہم ہے اور ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کے لیے ان کی منصوبہ بندی کی جانی ضروری ہے۔اسلام میں افراد کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی اہمیت کا اندازہ پہلی وحی سے لگایا جا سکتا ہے۔۸۷ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت علم کی بدولت دی گئی۔۸۸ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد تزکیہ نفس اور حکمت کی تعلیم دینا تھا۔۸۹ بحیثیت معلم فخر کی ایک وجہ لوگوں کے کردار میں مثبت تبدیلیاں لانا تھا۔قرآن مجید میں بار بار **افلا یتدبرون** (کیا تم غور نہیں کرتے)**افلا تعقلون** (کیا تم عقل نہیں رکھتے) کے الفاظ آتے ہیں۔قرآن کی رُو سے علم ہی کی بدولت انسان جہلاء سے ممتاز ہو سکتا ہے۔۹۰ نیز علم کی اہمیت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرنے کے راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے جنت کی طرف جانے والا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔ ۹۱

اسلام میں دین کے ساتھ دنیاوی علم حاصل کرنے بھی زور دیا گیا ہے کیونکہ اس سے انسانی فلاح و بہبود میں اضافہ ہوتا ہے۔اس ضمن میں یوسف القرضاوی لکھتے ہیں کہا اسلام میں صرف علم دین مطلوب نہیں بلکہ ہر وہ علم مطلوب ہے جو مفید ہو اور جس کے مسلمان دنیوی لحاظ سے ضرورت مند ہوں مثلاً جسمانی صحت، اقتصادی وعمرانی ترقی اور دشمنوں پر فوجی برتری حاصل کرنا ہے۔اور اسی قسم کے علوم جن کے مقاصد اسی طرح ہوں، ایسی چیزوں کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔۹۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو علم سکھانے کا اہتمام فرماتے۔مکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کا تزکیہ نفس فرماتے اور تعلیم کتاب و حکمت سے ان کی شخصیت کو آراستہ کرتے۔مدنی زندگی میں مسجد نبوی کے ساتھ منسلک چبوترہ صفہ نے اسلامی درسگاہ کا مقام حاصل کیا۔صفہ کی اسلامی درسگاہ میں شریک ہونے والے قرآن کریم اور تعلیمات دین کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے۔چنانچہ حضرت عبادہؓ بن صامت نے یہاں لوگوں کو لکھنا بھی سکھایا تھا۔۹۳ بدر کے قیدیوں سے مختلف نوعیت کا فدیہ لیا گیا۔ان میں سے بعض کا فدیہ بچوں کو پڑھنا یا لکھنا سکھانا تھا۔۹۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف علاقوں میں صحابہ کرام کو لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے روانہ فرماتے۔صحابہ کرام دیگر قوموں کی زبانیں بھی سیکھتے تھے۔حضرت زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان سریانی میں لکھنا اور پڑھنا سیکھا۔۹۵ عصر حاضر میں بھی مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کا مقابلہ کرنے کے لیے جدید علوم حاصل کرنے ضروری ہیں تا کہ مسلمان ان کے مکر وفریب سے آگاہ ہو سکیں اور ان کا پُر زور جواب دے سکیں۔خلفاء راشدین نے افراد کو قرآن فہمی کی ترغیب کے

لیے وظیفے جاری کیے مثلاً حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے کسی گورنر کو لکھا کہ لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر وظیفے دو۔۹۶ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یمجد اشعری کو عرب دیہاتیوں کو دینی تعلیم کے لیے بھیجا اور ان کے لیے تنخواہ مقرر کردی۔ ۹۷

علم ہی کی بدولت دیگر اقوام کا ہر میدان میں مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اس کی بدولت معاشی ترقی کی دوڑ میں ان سے آگے بڑھنا ممکن ہے۔ مسلمانوں کی تنزلی کی سب سے بڑی وجہ ان کا علمی انحطاط ہے۔ اس زوال سے عروج کی طرف سفر علمی ترقی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ افراد معاشرہ کو بنیادی اسلامی تعلیمات کے علاوہ دنیاوی تعلیمات حاصل کرنے کی طرف راغب کیا گیا ہے۔ دیگر اقوام کی زبانیں اور جدید علوم سیکھنے اس لیے بھی ضروری ہیں تاکہ معاشی دنیا میں مغرب کا مقابلہ کیا جاسکے، ہماری پیداوار میں زیادہ جدت آئے اور قدرتی وسائل سے بھی احسن طریقے سے استفاد کیا جاسکے۔ افراد کو مفت تعلیم کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ طلبہ کو اُن کی ضروریات کی تکمیل کے لیے وظائف کا اجراء کیا جانا بھی ضروری ہے۔

انسانی وسائل کی منصوبہ بندی میں یہ بھی ضروری ہے کہ اُن کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ مغربی دنیا کی یہ کوشش رہی کہ اسلامی تعلیمات کو بدل دیں لیکن جب وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے تو انھوں نے مسلمانوں کے ذہنوں اور معاشرتی اقدار کو بدلنے کی کوشش شروع کردی اور وہ اپنی اس پالیسی میں کامیاب جارہے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل بے راہ روی کا شکار ہورہی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں زنا بالجبر سے زنا بالرضا کا تناسب زیادہ ہے۔ اگر اسلامی حدود کا نفاذ کیا جائے تو معاشرہ اس برائی سے پاک ہوسکتا ہے۔ جب نوجوان نسل کی سوچ پاکیزہ ہوگی تو وہ اپنی توجہ تعلیم پر مرکوز کریں گے۔ اس سے پاکستان کو بہترین افرادی قوت حاصل ہوگی۔

اصلاح معاشرہ کے لیے خلافت راشدہ میں عملی اقدامات کیے گئے۔ آپؐ نے دیگر اقوام کے لباس پہننے کی بھی ممانعت فرمائی اس کی وجہ اسلام کا لباس کا باحیاء ہونا ہے۔ اس کو ہی استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ دیگر اقوام کے لباس پہننے سے فیشن پرستی کو رواج ملتا ہے اور بے حیائی بھی پھیلتی ہے۔ فیشن پرستی کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جمعہ کے دن نماز کے بعد دربانوں کو حکم دیتے جس کے لمبے بال ہوں اس کے بال کتر ڈالیں۔۹۸ خلفائے راشدین نے معاشرے میں برائی پھیلانے والے تمام امور کا سدباب کیا۔ اس ضمن میں ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے گشت کے وقت عورتوں کو مردوں کی خوبصورتی سے متعلق باتیں کرتے ہوئے سنا تو دونوں مردوں نصر بن حجاج اور ابو ذئب (جن کا تعلق بنی سلیم سے تھا) کو ضروری سامان دے کر بصرہ روانہ کردیا۔۹۹ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مردوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص حمام میں بلا تہبند کے داخل نہ ہو اور عورتیں قطعاً نہ جائیں۔۱۰۰ مدینہ منورہ میں دولتمندی کی وجہ سے سب سے پہلے جو برائی رونما ہوئی وہ کبوتروں کو اڑانا اور مختلف مراکز پر نشانہ بازی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے آٹھویں سال قبیلہ لیث کے ایک شخص کو مقرر کیا۔ اس نے ان کبوتروں کے پر کاٹے اور نشانہ بازی کے مراکز ختم کیے۔۱۰۱ لغو امور میں مصروف رہنے سے وقت کا ضیاع بھی ہوتا ہے اسلامی تعلیمات کی رُو سے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں اس کو تعلیمی مقصد کے حصول کے لیے صرف کریں۔ اسلام میں وقت کا ضیائع ۱۰۱ب ناپسندیدہ عمل ہے۔ خلفاء راشدین کے مندرجہ بالا اقدامات ایک پاکیزہ معاشرے کو پروان چڑھانے کے لیے تھے تاکہ فرد کی

اصلاح ہوسکے اور ملت اسلامیہ کے ایسے فرد تیار کیے جاسکیں جو ایک معیشت کے لیے سودمند ثابت ہوسکیں۔

انسانی وسائل کو دنیاوی اور دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے بعد کسب معاش کی ترغیب دی گئی۔اس ترغیب کا مقصد افرادی قوت کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہے۔افرادی قوت کو مختلف شعبوں میں روزگار فراہم کیا جائے۔اسلامی تعلیمات کی رُو سے کوئی پیشہ حقیر نہیں ہے لیکن کمانے میں حلال روزی کا اہتمام ضروری ہے۔تمام انبیاء کرام علیھم السلام ہاتھ سے روزی کماتے تھے مثلاً حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔۱۰۲ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام ہاتھ سے روزی کماتے تھے۔۱۰۳ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، رسول اللہؐ نے بھی اہل مکہ کی بکریاں چرائی تھیں۔۱۰۴ صحابہ کرام محنت سے حلال روزی کماتے۔ان کے اجسام مبارک سے پسینہ کی بو آتی اور ان کو کہا جاتا کاش تم نہا لیتے۔ ۱۰۵ بعض صحابہؓ تجارت بھی کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خلافت سے پہلے مشغلہ تجارت رہا۔۱۰۶ عصر حاضر میں افراد دولت کمانے کی ہوس میں حلال وحرام کی تمیز کے بغیر زیادہ منافع بخش کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔عصر حاضر میں ضروری ہے کہ افراد کو محنت کا عادی بنایا جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک تنگدست ضرورت مند انصاری کا کمبل اور پیالہ دو درہم میں فروخت کروایا۔ایک درہم کا اناج اور ایک درہم کی کلہاڑی خریدنے کا حکم دیا۔کلہاڑی کی لکڑی خود اپنے ہاتھ سے لگا کر دی اور فرمایا اس سے لکڑیاں کاٹو اور بازار میں جا کر فروخت کر آؤ۔۱۰۷ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنی پشت پر لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے یہ امر اس سے بہتر ہے کہ کسی سے سوال کرے کوئی اسے دے یا نہ دے۔۱۰۸

تعلیم یافتہ افراد کو روزگار فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔افراد معاشرہ کو حلال رزق کمانے کی ترغیب دینی چاہیے۔ان کی اجرتیں مناسب مقرر کی جانی چاہیں تا کہ ان کی ضروریات کی تکمیل احسن طریقے سے ہوسکے۔نیز عوام کو تعلیم، صحت اور صاف ماحول کی سہولیات فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے اور بنیادی ضروریات کی اشیاء کے نرخ مناسب ہونے چاہیں تا کہ افراد کی حقیقی آمدنیوں میں اضافہ ہوسکے۔

اسلام کی مالیاتی پالیسی کے مقاصد سے واضح ہوتا ہے کہ سرحدوں کی حفاظت اور داخلی امن وامان کا قیام ضروری ہے تا کہ افراد معاشرہ پرامن زندگی بسر کرسکیں۔اگر افراد کو ہر وقت جان ومال کا خوف رہے تو معیشت ترقی نہیں کرسکتی۔معاشی ترقی کے لیے اشیاء کے نرخ مناسب مقرر کیے جانے ضروری ہیں تا کہ معاشرے کے نادار افراد کی بھی بنیادی ضروریات کی تکمیل احسن طریقے سے ہوسکے۔منصفانہ تقسیم دولت کے لیے زکوٰۃ وصدقات کو متعارف کروایا گیا ہے تا کہ معیشت میں تفاوت جنم نہ لے سکیں اور غرباء کی کفالت ہوتی رہے۔اصلاح معاشرہ کے لیے حلال ذرائع سے کمانے اور حرام اشیاء سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔افراد کی اصلاح کے لیے اخلاق کو نقصان پہنچانے والے تمام امور کا سدباب کیا جانا ضروری قرار دیا تا کہ پاکیزہ معاشرہ پروان چڑھ سکے۔ انسانی وسائل کی منصوبہ بندی کے لیے افراد کی اخلاقی تربیت، تعلیم کی سہولیات کی فراہمی، باعزت روزگار کے مواقع ضروری ہیں تا کہ انسانی اور مادی وسائل سے بھرپور استفادہ سے معیشت ترقی کی راہ پر گامزن رہ سکے اور معیشت میں استحکام رہے۔

مصادر ومراجع:

۱۔ الانفال ۸:۶۰

۲۔ الطّبری ، محمد بن جریر ، أبو جعفر (م ۳۱۰ھ) ، تاریخ الأمم و الملوک المعروف تاریخ طبری ، بیروت (لبنان) : دارالکتب العلمیۃ، ط : الثانیۃ ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳م ، ۵۷۰/۲ ؛ ابن خلدون ، عبدالرحمن بن محمد بن محمد ، أبو زید (م۸۰۸ھ) ، کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی أیام العرب وا لعجم و البربر المعروف تاریخ ابن خلدون ، بیروت (لبنان) : دارلکتاب اللبناني، ط۔ن ، ۹۵۰/۲

۳۔ تاریخ الأمم و الملوک ،۴۸۳/۲

۴۔ ایضاً، ۵۷۱/۲

۵۔ ایضاً، ۴۷۸/۲

۶۔ الانعام ۶:۱۵۱

۷۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، أبوعبداللہ (م ۲۵۶ھ) ، الجامع الصحیح ، کتاب الدیات ، باب قول اللہ تعالیٰ ان النفس با لنفس و العین بالعین ، ۶۸۷۸؛الترمذی، محمد بن عیسی بن سورۃ،أبو عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)، الجامع ، ابواب الدیات،باب ما جاء:لایحل دم امریء مسلم الا باحدی ثلاث، ۱۴۰۲؛ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق، السجستانی (م۲۷۵ھ)، السنن ، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن ارتد، ۴۳۵۲؛ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابوعبداللہ (م۲۷۳ھ) ، السنن ، أبواب الحدود، باب لا یحل دم امر ی ء مسلم الا في ثلاث ، ۲۵۳۴

۸۔ الجزیری، عبدالرحمن بن محمد عوض، (م ۱۳۶۰ء)، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، بیروت(لبنان):داراحیاء التراث العرابی، ط۔ن ،س۔ن ، ۱۲/۵۔۱۳

۹۔ تفسیر مظہری ، دہلی : لندوہ المصنفین الکائنہ فی بلدۃ ، ط۔ن ، س۔ن ، ۸۸/۳

۱۰۔ المآئدۃ ۵: ۳۳

۱۱۔ الجصاص، أحمد بن علي، أبو بکر،الرازي ، (م ۳۷۰ھ)، أحکام القران، بیروت (لبنان):دارالکتب العلمیۃ،ط۔ن، س۔ن ، ۵۱۱/۲؛القر طبی ، محمد بن أ حمد ، أبو عبداللہ (۶۷۱ھ) ، الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر القرطبی ، قاہرہ (مصر) : دارالحدیث ، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲، ۵۱۲/vi/۳؛ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احکام القرآن (ابو بکر جصاص)،

۲/۵۱۱۔۵۱۲، الجامع لاحکام القرآن،۳/vi/۵۱۲۔۵۱۳

۱۲۔ البخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب الحدود ، باب المحاربین من اھل الکفر و الردۃ ، ۶۸۰۲

۱۳۔ المآئدۃ ۵: ۳۸

۱۴۔ البخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب الحدود ، باب قول اللہ تعالیٰ و السارق و السا رقۃ فا قطعوا أید یھماو فی کم یقطع(المائدۃ:۳۸) ، ۶۷۹۸

۱۵۔ ابن رشد ، محمد بن أ حمد بن محمد بن أ حمد ، أبو الولید (۵۹۵ھ) ، بدایۃ المجتھد و نھایۃ المقتصد ، الریاض (مکۃ المکرمۃ)، مکتبۃ نزاد مصطفی الباز ، ط۔ن،س۔ن،۲/۷۹۵؛ الماوردی ، علی بن محمد حسیب البصری ، ابو الحسن (م۴۵۰ھ) ، الاحکام السلطانیہ ، بیروت (لبنان) ، دارلکتب العربی ، ط: الثالثۃ، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء ، ص ۳۷۵

۱۶۔ ابن ماجہ، السنن، ، أبواب الحدود ، باب اقامۃ الحدود، ۲۵۴۰

۱۷۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ، ۵/۱۲۔۱۳

۱۸۔ ابن سعد، محمد بن سعد الزھری (م ۲۳۰ھ)، الطبقات الکبری المعروف طبقات ابن سعد، بیروت (لبنان):دار بیروت ، ط۔ ن ،۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء، ۳/۲۸۲

۱۹۔ ایضاً، ۳/۱۸۳

۲۰۔ ایضاً، ۳/۲۹۳۔ ۲۹۴

۲۱۔ ایضاً، ۵/۳۴۳

۲۲۔ تاریخ الأمم و الملوک ، ۲/۵۷۲

۲۳۔ الترمذی ،الجامع ،ابوأب الا حکام ،باب ماجاء في الامام العادل ،۱۳۲۹

۲۴۔ البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب الأحکام ، باب من استرعی ر عیۃ فلم ینصح ، ۷۱۵۰

۲۵۔ الترمذی ،الجامع ،ابو أب الاحکام،باب ما جاء في امام الر عیۃ،۱۳۳۲

۲۶۔ السیو طی ، جلال الدین (م ۹۱۱ھ)، تا ریخ الخلفاء ، بیر وت (لبنان) : دارالمعر فۃ ، ط: الخامسۃ ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ م ، ص ۱۱۶

۲۷۔ تاریخ الامم و الملوک ،۲/ ۵۹۰۔ ۵۹۱

۲۸۔ الطبقات الکبری ، ۳/۲۹۵

۲۹۔ ایضاً،۳/۲۱۳

۳۰۔ الطبقات الکبری، ۳/۲۹۸؛ البلاذری، أحمد بن یحي بن جابر، أبو الحسن (م۲۷۹ھ)، فتوح

البلدان، بیروت (لبنان):دارالکتب العلمیة ،ط۔ الاوّلی، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء، ص ۲٦۷

۳۱۔ تاریخ الامم و الملوک، ۵۹۱/۲؛ ابن کثیر ،اسماعیل بن عمرو، أبو الفداء، عمادالدین (م ۷۷۴ھ)، البدایة و النہایة المعروف تاریخ ابن کثیر،بیروت (لبنان): دارالمعرافة، ط۔الثامنة، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء، ۵۹/vii/۴

۳۲۔ الطبقات الکبری، ۲۸۳/۳

۳۳۔ تاریخ الخلفاء ، ص ۱٦۰

۳۴۔ تاریخ الأمم و الملوک ، ۷۰/۴

۳۵۔ الطبقات الکبری، ۳۷۸/۵

۳٦۔ تاریخ الامم و الملوک ، ٦۹/۴

۳۷۔ ایضاً ، ۵٦۸/۲

۳۸۔ یوسف ۱۲:۴۷۔۴۸

۳۹۔ احکام القرآن (ابو بکر الجصاص) ، ۲۲۷/۳

۳۹ب۔ عام الرماد اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ زمین بارش کی قلت کی وجہ سے سیاہ ہو گئی تھی حتیٰ کہ اس کا رنگ راکھ کی مانند ہو گیا تھا، دوسری وجہ ہوائیں مٹی کی راکھ کی طرح اڑتی تھیں۔

۴۰۔ الطبقات الکبری ، ۳۱۳/۳؛ تاریخ الامم و الملوک ، ۵۰۸/۲؛ البدایة و النہایة، ۹٦/vii/۴

۴۱۔ الطبقات الکبری،۳۲۰/۳

۴۲۔ ابن الاثیر،علی بن محمد،أبوالحسن (م٦۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ ، بیروت (لبنان):دارالمرفة، ط۔ الأولی۔،۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء، ۵۱۲/۲؛ البدایة و النہایة، ۹۷/vii/۴؛ تاریخ الامم و الملوک ، ۵۰۹/۲؛ فتوح البلدان ، ص ۱۳۲۔۱۳۳

۴۳۔ البدایة و النہایة، ۹۷/vii/۴

۴۴۔ البدایة و النہایة ، ۴ /۹۸/vii؛ الطبقات الکبری ، ۳۲۰/۳۔۳۲۲؛ تاریخ الأمم و الملوک ، ۲ /۵۰۸۔۵۰۹؛ تاریخ ابن خلدون ، ۹٦۹/۲

۴۵۔ فقه الزکاة ، بیروت (لبنان) :موسسة الرسالة، ط: الخامسة ، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱، ۸۸۹/۲ .

۴٦۔ الحشر ۵۹:۷

۴۷۔ الذّٰریٰت ۵۱:۱۹

۴۸۔ الترمذی ،الجامع الصحیح، کتاب الزهد، باب منه حدیث، (یقول ابن آدم:مالي

مالي ـــــ) ، ۲۳۴۲،

۴۹ البخاری ،الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ باب:الصّدقة فیما استطاع ، ۱۴۳۴

۵۰ ابوعبید، قاسم بن سلام (م۲۲۴ھ)، کتاب الأموال، قاہرہ (مصر):دارالفکر،ط۔ن، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ، ص ۲۴۵؛ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ)، کتاب الخراج، بیروت (لبنان):دارالمعرفة، ط۔ن،س۔ن، ص ۴۲

۵۱ الطبقات الکبری، ۳۰۲/۳

۵۲ کتاب الاموال ،ص ۲۱ ؛ابن خلدون ، کتاب العبر و دیوان المبتد ا والخبر فی أیام العر ب وا لعجم و البربر المعروف تاریخ ابن خلدون ، بیروت (لبنان) : دارلکتاب اللبناني ، ط۔ن ،س۔ن ، ۹۴۲/۲

۵۳ الطبقات الکبریٰ ، ۲۹۹/۳؛ فتوح البلدان ، ص ۲۶۹

۵۴ الاحکام السلطانیه ، ص۱۸۳

۵۵ کتاب الاموال ،ص ۲۴۵

۵۶ الفقه الا سلامی و ادلته ، دمشق : دارالفکر ، ط ـ الربعة ، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء ، ۲۶۹۲/۴

۵۷ فقه السنة ، بیروت (لبنان) : دارالکتب العربی ، ط۔ ن ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ ، ۱۰۷/۳

۵۸ مسلم، مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، أبو الحسین (م ۲۶۱ھ)، الجامع الصحیح، کتاب المساقاة، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات، ۴۱۲۳؛ابن ماجه، السنن، ابواب التجارات، باب الحکرة والجلب، ۲۱۵۴، ص۳۰۹؛ الترمذی، الجامع، ابواب البیوع، باب ماجاء فی الاحتکار، ۱۲۶۷

۵۹ ابن ماجه، السنن، ابواب التجارات، باب الحکرة والجلب، ۲۱۵۳

۶۰ ایضاً، ۲۱۵۵

۶۱ ابن قدامه ، عبدالله بن احمد،مقدسی (م۶۲۰ھ) ، المغني ، الریاض : مکتبة الر یا ض الحد یثة ، ط۔ ن ، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱،۴/۲۴۳۔۲۴۴

۶۲ شوکانی ،محمد بن علی (م ۱۲۰۵ء) ، نیل الا و طار ، بیروت (لبنان) : دارالفکر ، ط۔ن ، ۱۴۱۴ھ ، ۳/۷/۳۱۱

۶۳ ابن تیمیه،احمد بن شهاب الدین ،ابو العباس ،تقی الدین (م۷۲۸ھ)،الحسبة فی الاسلام ،القاہرہ(مصر) ،المطبعة السلفیة و مکتبتها،ط۔الثانیة ، ۱۴۰۰ھ،ص ۲۰۔۲۱

۶۴ البقرة ۲: ۲۰۵

۶۵ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب ما یکرہ من قیل وقال، ۶۴۷۳

۶۶ ابو داؤد، السنن، کتاب البیوع، باب فی النهي عن الغش، ۳۴۵۲؛ الترمذی، الجامع، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراهیة الغش فی البیوع، ۱۳۱۵

۶۷ تاریخ الامم والملوک، ۵۵۸/۲

۶۸ الطبقات الکبری، ۵۹/۳

۶۹ البدایة والنهایة، ۳۹۰/viii/۴

۶۹ب فی کس آمدنی: کسی ملک کے باشندوں کی اوسطاً آمدن جس سے افراد کے معیارِ زندگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کو ماپنے کے لیے قومی آمدنی کو آبادی پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

۷۰ Banjamin Higgins, *Economic Development*, New Delhi: Universal Book Stall, Ed.3rd, 2001, p.147

۷۱ Kindlebarag, Charles, p., *Economics Development*, New York: Mc Graw Hill, Ed.2nd, 1965, p.15

۷۱ب اگر کسی ملک کے باشندوں کی فی کس یومیہ آمدن ۱.۲۶ ڈالر سے کم ہو تو اُس ملک کے شہری خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔

۷۲ Meier, Gerald M., *Leading Issues in Economics Development*, New York: Oxford University, Ed.6th, 1994, p.7

۷۳ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکاة، باب الصّدقة قبل الرّدّ، ۱۴۱۱

۷۴ الطبقات الکبری، ۲۸۲/۳

۷۵ تاریخ الأمم والملوک، ۴۷۹/۲

۷۶ تاریخ الأمم والملوک، ۴۷۹/۲؛ فتوح البلدان، ص ۱۶۷

۷۷ تاریخ الأمم والملوک، ۴۷۹/۲

۷۸ فتوح البلدان، ص ۲۶۶؛ تاریخ ابن خلدون، ۹۴۱/۲۔۹۴۲

۷۸ب ایک لاکھ بدرہ ہمیانی کی رقم سولہ ارب ہوتی ہے۔

۷۹ تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۰

۸۰ کتاب الاموال، ص ۲۵۱

۸۱ ایضاً، ۲۳۴۔۲۳۵

۸۲ ایضاً

۸۳ *The Wealth of Nations*,London:George bell and sons,Ed.N.D.,1887 1/1

۸۴ *Principles of Economics*,London: Macmillan,1920,p.1

۸۵ Robbins, Lionel, *The Nature and Significance of Economic Science*, London:Macmillan,Ed.2nd,1935,p.16

۸۶ النسآء ۴ : ۲۹

۸۷ العلق ۹۶:۱۔۵

۸۸ البقرة ۲:۳۱۔۳۳

۸۹ الجمعة ۶۲:۲

۹۰ الزمر ۳۹: ۹

۹۱ ابو داؤد ، السنن ، کتاب العلم ، با ب في فضل العلم ، ۳۶۴۳، ص ۵۲۳

۹۲ فقه الزکاة، ۲ /۵۷۰

۹۳ ابو داؤد، السنن ، کتاب الاجارة، باب فی کسب المعلم ، ۳۴۱۶، ص ۴۹۵۔ ۴۹۶

۹۴ کتا ب الاموال ، ص ۱۱۶

۹۵ ابو داؤد ، السنن، کتاب العلم ، باب روایة حدیث أہل الکتاب ، ۳۶۴۵، ص ۵۲۳

۹۶ کتاب الاموال ، ۲۴۳

۹۷ ایضاً، ۲۴۴

۹۸ الطبقات الکبری، ۳۸۳/۵

۹۹ ایضاً،۲۸۵/۳۔۲۸۶

۱۰۰ ایضاً ، ۳۵۷/۵

۱۰۱ ایضاً، ۶۸۰/۲

۱۰۱ب جمعہ کے دن نماز سے فراغت کے بعد وقت کی اہمیت کے پیش نظر وقت ضائع کرنے کی بجائے استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تلاش رزق کی سعی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ (الجمعۃ۶۲:۱۰)،ترجمہ: پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔﴾ اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ سلم کے حضرت زینب بنت جحشؓ کے نکاح کے موقع پر صحابہ کرامؓ کو کھانے سے فارغ ہونے کے

بعد جو جانے کا حکم دیا گیا ہے۔اس سے دیگر اہم احکام کے علاوہ وقت کی اہمیت بھی ثابت ہوتی ہے۔وقت کو باتوں یا لغو امور میں ضائع کرنے کی بجائے اس کو صحیح استعمال میں لایا جائے۔﴿ فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا (الاحزاب ۳۳:۵۳)
ترجمہ: پس جب کھا چکو تو نکل کھڑے ہو۔﴾

۱۰۲ ابن ماجه ، السنن، ابواب التجارات، باب الصناعات، ۲۱۵۰

۱۰۳ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عمله بیده، ۲۰۷۲

۱۰۴ ابن ماجه، السنن ابواب التجارات، باب الصناعات، ۲۱۴۹

۱۰۵ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عمله بیده، ۲۰۷۱

۱۰۶ ایضاً، ۲۰۷۰

۱۰۷ ابو داؤد، السنن ، کتاب الزکاة، باب ما تجوز فیه المسألة، ۱۶۴۱، ص ۲۴۴

۱۰۸ بخاری ، الجامع الصحیح، کتاب البیوع ، باب کسب الرجل و عمله بیده ، ۲۰۷۴، ص ۳۳۳

العقد الفرید شائع ہوگئی ہے

اُندلس کے معروف مورخ ابن عبدربہ (م ۹۷۰ء) کی سب سے اہم تالیف العقد الفرید کا انتخاب ادارۂ قرطاس کی جانب سے شائع کیا جاچکا ہے۔اصل کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں سے تاریخی موضوعات کا انتخاب ایک جلد میں شائع کیا گیا ہے۔

ترجمہ:
محمد ظہیر الدین بھٹی
نظر ثانی و تہذیب:
ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

صفحات: ۶۷۷ قیمت: ۸۰۰/- روپے طبع اول ۲۰۱۴ء

ISBN: 978-969-9640-05-6